رمضان مبارک اللہ تعالیٰ کے جلوہ کی خاطر قائم فرمایا گیا ہے۔

روزے کا مقصد ہر نیکی کو اپنے عروج تک پہنچانا ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 رفروری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات تلاوت کیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۱۸۴﴾
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ
طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ
تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ
اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ
لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَإِنِّىْ قَرِيْبٌ ۖ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
إِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

(البقرہ 184 تا 187)

پھر فرمایا:۔

یہ وہ آیات ہیں جن میں رمضان کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اے مومنو! تم پر یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ تم رمضان کے روزے اسی طرح رکھو جیسے تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو أَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ چند دن ہی کی بات ہے، چند دن کا فریضہ ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا پس تم میں سے جو کوئی بھی بیمار ہو أَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا سفر پر ہو فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ تو پھر اس مدت کو دوسرے ایام میں پورا کرنا ہو گا اور الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ وہ لوگ جو فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ بھی فرض ہے یا ان کے لئے فدیہ دینا بہتر ہے۔ ایک تو اس کا یہ ترجمہ بنتا ہے اور بھی تراجم ہیں اور وہ سارے بیک وقت درست ہیں چنانچہ میں باری باری اس آیت کے مختلف ترجمے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس میں یہ بحث نہیں ہے کہ یہ درست ہے یا وہ درست ہے یا اسے اختیار کیا جائے یا اسے اختیار کیا جائے۔ میرے نزدیک یہ چونکہ مضمون کو کھول رہے ہیں اور وسعت دے رہے ہیں اس لئے بیک وقت سارے درست ہیں اور بیک وقت ان تمام معانی پر نظر رکھتے ہوئے اپنے اعمال کو ڈھالنا چاہئے۔ جیسے بعض دفعہ ایک تنگ جگہ سے دریا گزرتا ہے تو اسکی گہرائی تک نظر نہیں جاسکتی پھر جب وسعت اختیار کرتا ہے تو وہ پھیل جاتا ہے لیکن پانی تو وہی پانی رہتا ہے۔ پس خدا کا کلام اسی طرح عرفان کا کلام ہے خواہ وہ آپ کو تھوڑا دکھائی دے اس وقت وہ زیادہ گہرائی میں جا چکا ہوتا ہے بعض دفعہ وہ پھیل جاتا ہے اور کھلا کھلا وسیع دکھائی دیتا ہے۔ پس یہ وہ موقع ہے جہاں آیت کریمہ ایک ایسی جگہ داخل ہوگئی ہے جہاں منظر بہت کشادہ اور وسیع دکھائی دینے لگا ہے۔ پس اس پہلو سے اس کے ترجمے کے پھیلاؤ کے متعلق پہلے یہ اصولی بات بیان کروں اور وہ پہلے بھی کر چکا ہوں مگر چونکہ بہت سے نئے سننے والے شامل ہوتے رہتے ہیں نئی نسل کے لوگ بھی آگے آتے رہتے ہیں اس لئے بعض

باتیں بار بار سمجھانی مفید ہوتی ہیں۔

لفظ اَطَاقَ یُطِیْقُ طاقت کے مادے سے نکلا ہے اور جب اس کو باب افعال میں جس طرح کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے استعمال کیا جائے تو اس میں بیک وقت مثبت معنی بھی آ جاتے ہیں اور منفی معنی بھی آ جاتے ہیں اور موقع ومحل کے مطابق استعمال کرنے والا یا سننے والا یہ فیصلہ کرتا ہے تو یُطِیْقُوْنَہٗ کا مطلب یہ ہے وہ لوگ جو اس کی طاقت رکھتے ہیں اور یُطِیْقُوْنَہٗ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ جب ان دو پہلوؤں سے الگ الگ آیت پر غور کریں تو پھر اگلا سوال یہ اٹھے گا کہ کس کی طاقت نہیں رکھتے۔ ''ہ'' کی ضمیر کس طرف جارہی ہے تو جو باتیں اس آیت میں مذکور ہیں ان میں عقلاً وہ جگہ تلاش کرنی ہوگی جن کا تعلق ''ہ'' کی ضمیر سے ہے یعنی وہ لوگ جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس کی طاقت نہیں رکھتے کیا چیز ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط ایک روزے کا ذکر گزرا ہے اور ایک فدیہ کا۔ پس یا ''ہ'' سے مراد روزہ ہے یا ''ہ'' سے مراد فدیہ ہے یا بدلتی ہوئی شکلوں میں دونوں ہی باری باری مراد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک معنی جو میں نے آپ کے سامنے پڑھا تھا وہ یہ تھا کہ وہ لوگ جو فدیہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ فدیہ دیں سب پر فریضہ نہیں ہے، یہ ایک ایسا فعل ہے جو پسندیدہ ہے اور اس طرح فرض نہیں جیسا کہ روزے فرض ہیں۔ پس جو لوگ فدیہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ اگر روزہ نہیں رکھ سکتے تو فدیہ دیں۔ دوسری ضمیر اس کی چلے گی روزے کی طرف۔ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں اور کسی مجبوری کے پیشِ نظر روزہ نہیں رکھ رہے ان کو فدیہ دینا چاہئے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بنے گا کہ وہ لوگ جو دائمی مریض ہیں یا عمر کے اس حصے کو پہنچ چکے ہیں کہ وہ روزہ رکھ ہی نہیں سکتے تو وہ فدیہ بے شک نہ دیں لیکن جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ضرور فدیہ دیں۔ یعنی بیمار ہیں اور روزے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہاں (Potential) طاقت مراد ہے یعنی اپنی استطاعت کے لحاظ سے جوان کو فطرت نے ودیعت کی ہے یا ابھی روزے رکھنے کی عمر میں ہیں اور نہیں رکھ سکتے وہ فدیہ دیں۔ یہ وہ معنی ہے جسے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی اپنی ایک تحریر میں قبول کرتے ہوئے یعنی اس کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے اوپر روشنی ڈالی ہے کہ کیوں فدیہ دیا جائے پھر اگر روزے کی طاقت ہے اور نہیں رکھ سکتے تو فدیہ کا کیا سوال پیدا ہوا۔ اس کا

اس سے کیا تعلق ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ فدیہ کس لئے مقرر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ توفیق کے واسطے ہے تا کہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو۔''

یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن میں اس تحریر کے وقت یا اس بیان کے وقت یہی معنی موجود دکھائی دیتے ہیں۔ ایک انسان ہے جو روزہ رکھ سکتا ہے لیکن وقتی طور پر اس طاقت سے محروم ہے۔ پس وہ لوگ فدیہ دیں اور فدیہ دے کر اللہ سے مدد مانگیں کہ اے خدا ہمیں اس کی طاقت عطا فرما دے۔

''۔۔۔خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شئے خدا تعالیٰ ہی سے طلب کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی روزہ کی طاقت عطا کر سکتا ہے تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ پس میرے نزدیک خوب ہے کہ (انسان) دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ:563)

دوسرے معنی اس کے یہ ہیں کہ وہ لوگ جن کو اس کی طاقت نہیں ہے۔ جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس معنی میں ضمیر فدیہ کی طرف نہیں جائے گی اور صرف روزے کی طرف جائے گی یعنی معانی نسبتاً محدود ہوں گے اور اس سے مراد یہ ہوگی کہ یہ لوگ جو روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ تو بعد میں روزے رکھ ہی لیں گے۔ یعنی یہ ترجمہ اختیار کرنے والوں کا رجحان اس طرف ہے کہ اس سے یہ معنی پیدا ہو جاتے ہیں کہ فدیہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ لوگ جو روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ تو بعد میں رکھ لیں گے مگر جن کو طاقت نہیں ہے وہ کیا کریں گے کچھ تو ان کے دل کی تسلی کا سامان ہو۔ پس ان کو فرمایا گیا ہے کہ تم فدیہ دے کر اس حسرت کو کسی حد تک مٹا لو کہ ہم اس نیکی سے محروم ہو گئے۔ مگر جو پہلے معانی

ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا وہ زیادہ وسیع ہیں اور یہ معنی بھی غلط نہیں ہے بلکہ درست ہے۔ایک اور خوب صورت پہلو کو ہمارے سامنے لاکھڑا کرتا ہے۔ پس توفیق کی بات ہے۔ یہاں روزے کی یا فدیہ کی توفیق کی بات نہیں کر رہا انسانی نیکی کی توفیق کی بات کر رہا ہوں۔ وہ لوگ جن کی نیکی کی توفیق وسیع ہو وہ جس حد تک کسی معنی میں نیکی کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں وہ اس میں کرتے ہیں۔ پس اسی مضمون کو قرآن کریم پھر آگے بیان فرماتا ہے۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ہم تو نیکی کی بات کر رہے ہیں جو شوق کی نیکی کرنے کی خواہش رکھتا ہے اور آگے بڑھتا ہے اور نفلی طور پر بھی نیکی اختیار کرتا ہے فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ اس کے لئے بہتر ہے پس وہ لوگ جو طاقت نہیں رکھتے وہ تو دیں گے ہی، جو طاقت رکھتے ہیں وہ بھی آیت کا یہ معنی سمجھتے ہوئے کہ ہم مخاطب ہیں اور ہمیں کہا گیا ہے کہ تم روزے کی طاقت رکھتے ہو اس لئے اگر چہ تم نے بعد میں روزے رکھنے ہیں مگر اس وقتی محرومی سے بچنے کے لئے خدا کی خاطر غریبوں کو کھانا کھلاؤ تا کہ تمہاری یہ دل کی تمنا آئندہ پوری ہو سکے۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور اگر تم روزے رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔اس آیت کے اس مضمون کا یہاں کیا موقع ہے اسے ضرور سمجھنا چاہئے۔ یہ تو عام بات ہے جب نیکی کی باتیں ہو رہی ہوں تو روزہ رکھنا بہر حال بہتر ہے۔ یہاں نفس کے بہانہ جوؤں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ بیماری حقیقی ہو یقینی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رخصت عطا فرمائی ہے تقویٰ اسی میں ہے کہ خدا کی دی ہوئی رخصت سے انسان فائدہ اٹھائے لیکن اگر نفس کے بہانے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ میں تو بیمار ہوں اس لئے میں روزہ نہ ہی رکھوں تو بہتر ہے ایسے لوگوں کے لئے یہ تنبیہ ہے کہ دیکھو روزہ رکھنا بہر حال بہتر ہے۔ فدیہ دے بھی دو گے تو وہ بات نہیں بنے گی۔ تو فدیہ کے مقابل پر روزے کا ذکر ہو رہا ہے کہ فدیہ دے کر تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے نیکی کو پالیا ہے۔ روزہ، روزہ ہی ہے جو اس کے فوائد ہیں وہ فدیہ سے حاصل نہیں ہو سکیں گے اس لئے اپنے نفس پر غور کر لو اگر حقیقی اور سچے بیمار ہو تو نیکی اسی میں ہے کہ روزے نہ رکھو اور صرف فدیہ دو اور اگر نفس کے بہانے ہیں تو پھر کوشش کر کے دیکھو اگر تمہیں خدا تعالیٰ توفیق عطا فرما دے تو روزہ رکھنا بہر حال بہتر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا

مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جیسا کہ پہلے بھی بارہا اس مضمون کو سمجھایا گیا ہے مفسرین اس آیت پر جب غور کرتے ہیں تو ان کے سامنے یہ الجھن ہوتی ہے کہ رمضان مبارک میں تو سارا قرآن نہیں اتارا گیا پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ وہ مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا۔اس کی توجیہات مختلف پیش کی جاتی ہیں مثلاً یہ کہ رمضان مبارک میں اس کا آغاز ہوا تھا اور پہلی وحی جو غارِ حرا میں نازل ہوئی ہے وہ رمضان ہی کے کسی دن میں ہوئی ہے۔تو اس لئے یہ ایک خیال ہے کہ چونکہ شروع اس وقت ہوا تھا اس لئے شروع میں اتارنے کا ذکر ہے۔

بعض دوسرے مفسرین یہ سمجھتے ہیں کہ اگر چہ وحی مسلسل سارا سال نازل ہوتی رہتی تھی مگر رمضان میں قرآن کریم کو دہرایا جاتا تھا اور کوئی انسان تو نہیں آ کر حضور اکرم ﷺ قرآن کو دہراتا تھا۔ جبرائیل کے ذریعے خدا تعالیٰ کی تجلی ظاہر ہوتی تھی اور وہ قرآن جو آپؐ پر اتارا جا چکا تھا اس کی دہرائی کرواتا تھا کوئی تحریری شکل نہیں تھی جسے سامنے رکھ کر پڑھ کر آپؐ یاد کر لیں۔آج کل کے زمانے میں بھی جو اچھا حافظہ رکھنے والے ہیں ان کو بھی بار بار قرآن کریم کے تکرار کی ضرورت پیش آتی ہے اور اگر یہ نہ میسر ہو اور ان کو پڑھنا بھی نہ آتا ہو تو وہ پھر بعض دوسروں سے فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً اندھے قاری ہیں ان کے سامنے کوئی بچہ آ کے بیٹھ جاتا ہے جس کو پڑھنا آتا ہے یا کوئی بڑا وہ قرآن کریم کی دہرائی کرواتے رہتے ہیں۔حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی دہرائی کروانے والا تو جبرائیل کے سوا اور کوئی نہیں تھا اس لئے ہر رمضان مبارک میں جبرائیل حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی قرآن کریم کی دہرائی کرواتے تھے اور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ ہر دفعہ قرآن نازل ہوتا تھا۔جب وحی کا فرشتہ دوبارہ قرآن لے کر اترتا ہے اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہو چکا تھا اس کی دہرائی کی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ پورا دور مکمل ہوا۔تو یہ معنی ہیں کہ یہ ایک ایسا مبارک مہینہ ہے کہ اس میں سارا قرآن دہرایا جاتا ہے۔آغاز بھی اسی مہینے سے ہوا اور پھر ہر مہینے وہ ساری وحی جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہو چکی تھی وہ اس مبارک مہینے میں دہرائی جاتی تھی۔

اس میں اور بھی فوائد ہیں۔یہی آیت آگے ان فوائد کا ذکر کرتی ہے اس مہینے کی برکت ایک تو یہ ہے۔دوسرے یہ کہ هُدًى لِّلنَّاسِ تمام بنی نوع انسان کے لئے یہ ہدایت ہے۔تمام بنی نوع انسان کے لئے کیسے ہدایت ہو گیا؟ بات تو مومنوں سے شروع ہوئی تھی۔کہا تو مومنوں کو جارہا

ہے کہ تم روزے رکھو۔ تو رمضان کا بنی نوع انسان کی ہدایت سے کیا تعلق ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم کی انہی آیات میں پہلے بیان فرما چکا ہے۔

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ روزوں کا مضمون پہلی دفعہ بنی نوع انسان کے سامنے پیش نہیں کیا جا رہا۔ خدا تعالیٰ کا قانون ہے اور ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ تمام وہ قومیں جن کو آسمانی ہدایت عطا ہوئی ہے ان کو روزہ رکھنے کا کسی نہ کسی رنگ میں حکم دیا گیا تھا اور رمضان میں تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے۔ اس سے مجھ پر یہ مضمون کھلتا ہے کہ روزے کا جب بھی آغاز ہوا تھا وہ رمضان ہی میں ہوا تھا اور چونکہ بنی نوع انسان آغاز میں ایک ہی تھے۔ جیسا کہ حج کی آیت میں بھی لِّلنَّاسِ کا ذکر آیا ہے یعنی مکے کا بیت اللہ، اس کی برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے هُدًى لِّلنَّاسِ کا ذکر ہی آتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ آغاز میں چونکہ وہی ایک کعبہ تھا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے تھا اس وقت ایک نبی کے نیچے سب بنی نوع انسان مجتمع تھے۔ پس اس بات نے اس وقت دہرایا جانا تھا اس وقت جبکہ دین کامل ہو جاتا اور ایک دفعہ پھر تمام بکھرے ہوئے بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنا تھا یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اور ایک کعبہ کی طرف مائل کرنا تھا یہ وہی کعبہ ہے جس سے خدا کی توحید کی طرف بنی نوع انسان کو بلانے کا آغاز ہوا۔ تو یہی روزے والا مضمون نظر آتا ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو روزے کی تعلیم دی اور بیچ میں پھر دنیا بکھر گئی، مختلف اوقات مقرر ہو گئے، مختلف شکلیں ظاہر ہوئیں لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر ایک دفعہ پھر بکھری ہوئی انسانیت کو مجتمع کرنا تھا اور تمام قوموں کو امتِ واحدہ بنانا تھا تمام مذاہب کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا تھا۔ پس رمضان ہی کو چنا گیا تا کہ اسے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے استعمال کیا جائے۔

اس مضمون کے بعد اللہ تعالیٰ ہے۔ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ بنی نوع انسان کی جو عام ہدایت ہے اس کا تعلق تو ایک عام مضمون سے ہے اور آغاز سے بھی ہے لیکن قرآن میں ایک اور بات بھی پیدا ہوئی ہے وہ عام ہدایت کی تکمیل کرتا ہے۔ پس رمضان میں بھی ایک اور بات پیدا ہو چکی ہے جس شان کے ساتھ رمضان کی عبادت اور رمضان کے حق ادا کرنے کی تعلیم حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے دی اس سے پہلے کبھی کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس کو یہ تعلیم دی گئی

ہوتو اگر صرف هُدًى لِّلنَّاسِ کہہ کر بات چھوڑ دی جاتی تو پھر اس رمضان میں اور گزشتہ رمضانوں میں یا دوسرے مہینوں میں جن میں روزے اترے یا روزے فرض کئے گئے کوئی خاص فرق نہ رہتا۔ایک جیسی ہی ہدایت سب کے لئے مگر قرآن کریم یہ امتیاز دکھانا چاہتا ہے کہ یہ رمضان اور ہے اور وہ رمضان اور تھے جو اس سے پہلے گزرے ہیں اب وہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ قرآن نازل ہوا ہے وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى جو صرف ہدایت ہی پیش نہیں کر رہا۔ ہدایت میں جو سب سے زیادہ روشن نشانات ہیں، ہدایت کی سب سے اعلیٰ اور ارفع شکلیں اور سب سے زیادہ چمکتی ہوئی صورتیں وہ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اور یہ رمضان جو مسلمانوں پر فرض کیا جا رہا ہے یہ ہدایت کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کی بہترین صورتوں تک پہنچاتا ہے۔

وَ الْفُرْقَانِ اور پھر فرقان عطا کرتا ہے۔فرقان سے مراد ہے، ایسی روشن دلیل جو فرق کر کے دکھا دے، جو اپنے اندر خود تمیز کرنے کی طاقت رکھتی ہو پھر ایسی دلیل جو غالب آنے والی ہو۔ پس فرمایا کہ قرآن کریم کی جو تعلیم دی جارہی ہے اور قرآن کریم نے جو رمضان تمہارے سامنے رکھا ہے اس کے ذریعے تمہیں عام ہدایت بھی ملے گی جو تمام بنی نوع انسان میں مشترک ہے، وہ ہدایت بھی ملے گی جو اس سے زیادہ درجہ کی ہدایت ہے اور جسے بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى کہا جاسکتا ہے اور پھر تمہیں فرقان نصیب ہوگی اور یہ ساری برکتیں رمضان کے ایک مہینے میں اکٹھی کر دی گئی ہیں۔

پھر فرماتا ہے۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اس سے پہلے بھی حکم دیا جا چکا ہے کہ روزے رکھو، فرض ہو چکے ہیں۔اب اس مضمون کو کھول کر بیان کرنے کے بعد پھر دعوت دی جارہی ہے اب تم سمجھ گئے ہونا کہ یہ کیا چیز ہے۔تم پر خوب کھول دیا گیا ہے کہ اس مہینے کی عظمت کیا ہے؟ اب پھر ہم تمہیں بلاتے ہیں۔جس کو بھی یہ توفیق نصیب ہو کہ وہ اس مہینے کو پالے۔ فَلْيَصُمْهُ تو اس مہینے کے ضرور روزے رکھے۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ہاں جو مریض ہو حقیقۃً بیمار ہو یا سفر پر ہو ان کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ بعد کے دوسرے ایام میں یہ روزے پورے کریں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ نیکی کا فلسفہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تمہیں تکلیف میں ڈالتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔نیکی کا مضمون بہت وسیع ہے نیکی کے

دوران تکلیف بھی آتی ہے لیکن تکلیف مقصد نہیں ہوا کرتی۔ پس ہر وہ تکلیف جو انسان اپنی طرف سے نیکی سمجھ کر برداشت کرے لازم نہیں کہ نیکی ہو۔ نیکی کی تکلیف میں ایک مقصد داخل ہوتا ہے۔ ہر وہ تکلیف جو اعلیٰ مقصد کی راہ میں آتی ہے وہ نیکی ہے اس کے سوا کوئی تکلیف نیکی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ رمضان میں تم تکلیفیں اٹھاؤ گے اور خدا کو راضی کرلو گے چنانچہ ایسے لوگ جو سمجھتے ہیں کہ رمضان کی جو شدت ہے وہی نیکی ہے وہ بعض دفعہ اتنی سختی کرتے ہیں روزے کے دنوں میں خصوصیت سے صوبہ سرحد میں اور دیگر پٹھان علاقوں میں یہاں تک حد سے تجاوز کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی اگر روزہ رکھ کر گرمیوں کے دنوں میں بے ہوش ہوکر زمین پہ جا پڑے تو اس کے منہ میں پانی کا قطرہ نہیں ڈالنے دیتے۔ جب تک پہلے تھوڑی سی مٹی یا ریت ڈال کے نہ دیکھیں کہ منہ میں کوئی لعاب کا نشان باقی ہے کہ نہیں۔ اگر وہ مٹی سوکھی نکل آئے پھر کہتے ہیں حق ہے اس کا روزہ تڑوا دو اور اگر کہیں تھوک لگا ہوا دکھائی دے دے تو کہیں گے نہیں ابھی نہیں ابھی مرنے میں کچھ وقت باقی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ ہم تمہیں تکلیف دے کے خوش ہوتے ہیں۔ نیکی کا مضمون بہت گہرا اور بہت وسیع اور بہت اعلیٰ ہے۔ نیکی اگر مقصد ہو تو اس راہ میں جو تکلیف آئے وہ خوشی سے برداشت کرنا اس نیکی کو چار چاند لگا دیتا ہے لیکن وہ تکلیف ہرگز مقصود نہیں ہوتی۔ پس فرمایا ہم تمہیں مصیبتوں میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کی جو توفیق ہو اس کے مطابق اس پر بوجھ ڈالتے ہیں اگر تم کو توفیق نہیں بعد میں رکھ لینا اور پھر بعد میں اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جب چاہو رکھ لو جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تکلیف مراد نہیں تھی ورنہ رمضان کے گرمی کے روزوں کے متعلق قرآن کریم حکم دیتا کہ تم نے گرمی کی شدت میں روزے نہیں رکھے تھے اب دوبارہ گرمی کے مہینے میں انہی دنوں میں رکھنا یا کہیں سردی کے دنوں میں بعض علاقوں میں سردی کی وقت ہوتی ہوگی ان کے لئے بعض سردی کے روزے مشکل میں پڑ جاتے ہوں گے۔ ان کی راتیں بہت لمبی ہو جاتی ہیں اور لمبے عرصہ تک راتوں کو عبادت کرنا شاید بعضوں کے لئے دوبھر ہو۔ بہر حال مختلف موسموں کی مختلف اپنی بعض خصوصیات ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے گرمیوں میں چونکہ دن یہاں لمبے ہو جاتے ہیں سردی کے باوجود وہ کہتے ہیں ہم سے اتنی بھوک برداشت نہیں ہوتی اس سے تو بہتر تھا کہ ہم پاکستان چلے جاتے۔ چنانچہ ایک ہمارے مہمان آئے ہوئے تھے وہ گرمیوں میں روزے کے

دنوں میں بیٹھے پاکستان کو یاد کر رہے تھے کہ وہاں چھوٹے تو تھے نا کم سے کم۔ پیاس تو کوئی بات نہیں مجھ سے بھوک نہیں برداشت ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہے جو برداشت ہوتا ہے یہ اس کے مطابق کرلو۔ ''اَيَّامٍ اُخَرَ '' ہیں۔ بعد کے ایام چن لو۔ دوسرے ہوں۔ ہم تمہیں تکلیف دینے کی خاطر نیکی نہیں کروا رہے۔ روزے میں بعض نیکی کی ایسی باتیں مضمر ہیں جنہیں اختیار کرو گے تو وہ نیکی بنے گی ورنہ محض بھوک سے یا پیاس کی تکلیف سے نیکی نہیں پیدا ہوگی۔

پھر فرماتا ہے وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ بس اتنی سی بات ہے کہ عدت ضرور پوری کرنا۔ اگر تیس روزے فرض ہیں تو تیس ہی رکھنے ہیں جتنے چھٹے ہیں وہ پورے کرنے ہوں گے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور خوب اللہ تعالیٰ کی تکبیر بلند کرو اس کی عظمت اس کی بڑائی کے گیت گاؤ کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمادی ہے تا کہ اس کے نتیجے میں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تا کہ تم شکر گزار بندے بنو، شکر کرنے والے بنو۔ دو باتیں ہیں عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ایک اس وجہ سے تکبیریں بلند کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی اور ایک اس لئے کہ جب تم تکبیر بلند کرو گے خدا کی بڑائی کے گیت گاؤ گے تو پھر تمہیں شکر نصیب ہوگا۔ اللہ کا شکر اس طرح کیا کرتے ہیں۔

اب آخری بات جو دراصل روزے کا قبلہ اور کعبہ ہے ہر روزے کی انگلی اس بات کی طرف اٹھتی ہے بلکہ ہر نیکی ہر عبادت کی انگلی اسی طرف اٹھ رہی ہے۔ یہ وہ بیان فرمائی گئی ہے جو اس آیت کا معراج ہے یا اس مضمون کا معراج ہے۔ فرماتا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ جب بھی لوگ تجھ سے پوچھیں کہ میں کہاں ہوں میرے متعلق سوال کریں۔ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ میں تو قریب ہوں یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تو ان سے کہہ دے کہ میں قریب ہوں۔ ایک ایسے حاضر ناظر کا کلام ہے جو موجود ہے اور سننے والے سے پہلے اس کو جان لیتا ہے کہ سوال کیا پیدا ہوا ہے۔ یہ

سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے قلب مطہر تک پہنچتے پہنچتے جہاں باتوں کا آخری عرفان حاصل ہوتا ہے کچھ وقت لیتا ہے آواز کی لہریں بھی ایک صوت کو دوسری جگہ تک منتقل کرنے کے لئے کچھ وقت لیتی ہیں مگر اللہ تو ہر جگہ حاضر ناظر موجود ہے وہ جب خیال دل میں پیدا ہوتا ہے سوال اٹھ رہا ہوتا ہے اس وقت بھی جانتا ہے کہ کیا ہے تو فوراً جواب دے دیتا ہے اِنِّیۡ قَرِیۡبٌ میں تو قریب ہوں۔

اس سے ایک بات تو یہ سمجھنی چاہئے کہ یہاں اس سوال سے اعلیٰ اور اول مفہوم خدا کی تلاش کرنے والوں کا سوال ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ لوگ جو مجھ سے مرادیں مانگتے ہیں ان کو کہہ دو کہ میں قریب ہوں۔ یہ بھی معنی ہیں لیکن بعد میں آئیں گے، اول معنی یہ ہے کہ تجھ سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ اے محمد! تیرا رب ہے کہاں؟ کیا ہم بھی اس تک پہنچ سکتے ہیں؟ تو میں یہ جواب دیتا ہوں کہ میں قریب ہوں لیکن اس قرب کو محسوس کرنے کے لئے اس قلبی رؤیت کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ صلاحیتیں پیدا ہونی ضروری ہیں، آگے جا کر اس مضمون پہ بھی اللہ تعالیٰ روشنی ڈالے گا تو پہلی بات تو یہ سمجھ لیں۔ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ کہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہر طلب گار کے قریب موجود ہے اسے لمبے سفر کے بعد تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دل کے معاملات ہیں اگر دل اخلاص کے ساتھ یہ فیصلہ کرلے کہ میں اپنے رب تک پہنچنا چاہتا ہوں تو وہ ہر جگہ ہے۔ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اس میں دوسرا مضمون پھر آ گیا کہ میں دعوت دینے والے کی دعوت کا جواب دیتا ہوں۔ اس میں پہلا معنی یہ ہے کہ قریب تو ہوں پر تم پوچھو گے تو میں جواب دوں گا نا۔ تمہارے دل میں خواہش ہی کوئی نہیں تو میں یونہی اپنے حسن سے پردے اٹھاتا پھروں۔ کوئی طلب گار آنکھ ہو تو اس کو جلوہ دکھاؤں۔ تو رمضان مبارک اللہ تعالیٰ کے جلوہ کی خاطر قائم فرمایا گیا ہے اور یہ آخری نتیجہ ہے رمضان کا اور رمضان کی نیکیوں کا۔ تو فرمایا تم پہلے اپنے دل میں اپنے رب کو حاصل کرنے کی طلب پیدا کرو یہ طلب ہوگی تو میں تمہارے قریب ہوں اور تم مجھے قریب پاؤ گے۔

اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اور میں خاموش قریب نہیں ہوں بلکہ تمہاری دعوت کا جواب بھی دوں گا۔ تم پکارو گے تو میں جواب میں بولوں گا اور تم سے کلام کروں گا۔

فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ مگر ایک شرط ہے کہ تم بھی تو میری باتیں مانا کرو۔ اگر چہ یہ بات سب سے آخر پر رکھی ہے لیکن اصل میں اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ

اور سوال کے درمیان میں کھڑی ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں قریب ہوں تمہاری بات کا جواب دیتا ہوں اور دوں گا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی لازماً میری باتوں کا جواب دیا کرو۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ جب ضرورت تمہیں پڑے مجھے آوازیں دو اور میں حاضر ہو جاؤں۔ یہ تو آقا اور غلام کا تعلق بن گیا یعنی آواز دینے والا آقا ہو گیا اور ہاں جی حاضر سائیں کہنے والا غلام بن گیا۔ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ میں جب کہتا ہوں کہ ہاں میں حاضر ہوں اور جواب دیتا ہوں تو ایک نوکر کی طرح نہیں، ایک مالک کی طرح حاضر ہوں، ایک محبوب کی طرح حاضر ہوں تم میں خادمانہ ادائیں ہوں گی تو میں مالک بن کر تم پر روشن ہوں گا تم میں عاشقانہ جذبے ہوں گے تو محبوب کی طرح میں تم پر ظاہر ہوں گا اور تمہیں جلوے دکھاؤں گا۔ یہ مضمون ہے فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ کا۔ وہ لوگ جو خدا کی باتیں مانتے ہیں خدا ان کی اسی طرح مانتا ہے جس طرح وہ خادم جو آقا کی ہر بات پر لبیک کہتا ہے جب اس کو ضرورت پڑتی ہے تو کون آقا ہے جو دل کی وسعتیں رکھتا ہو اور پھر اس سے انکار کر دے۔ بعض بد کردار تنگ دل لوگ ایسے بھی ہیں جو ساری عمر خدمتیں لیتے ہیں اور جب ضرورت پڑتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ وہ اللہ تو ان میں سے نہیں نعوذ باللہ من ذالک۔ اللہ فرماتا ہے تم مجھ سے عبدیت کا، عبودیت کا تعلق رکھو میرے سامنے جھکو، میری باتیں مانا کرو، پھر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں کبھی تم سے دور نہیں رہوں گا جب تمہیں ضرورت پیش آئے گی میں تمہارے ساتھ ہوں گا جب تم مجھے پکارو گے میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔

پھر فرمایا وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ اور مجھ پر ایمان لے آؤ۔ اب ایمان ہی سے تو بات شروع ہوئی تھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تو یہ ساری بات ختم کر کے پھر ایمان کہاں سے لانا ہے۔ یہاں ایمان کے معراج کی بات ہو رہی ہے جیسے روزہ عبادت کے معراج پر خدا کو دکھاتا ہے اب یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ ایمان تو یہ ہو گا جب خدا تم سے بولے گا جب تم اس کے کامل بندے بن چکے ہو گے۔ جب اسے اپنے قریب دیکھا کرو گے، جب وہ تمہاری باتوں کا جواب دے گا حقیقی ایمان تو وہ ہے ورنہ تمہیں کیا پتا کہ تم ایمان لائے بھی ہو کہ نہیں۔ دور سے دیکھ رہے ہو ایک بات کا تمہیں خیال ہے کہ تم ایمان لاتے ہو مگر جب

مشکلات کے وقت آتے ہیں جب مصائب کے زلزلے آتے ہیں تو تمہارے ایمان کی بنیادوں پر زلزلہ طاری ہو جاتا ہے اور بسا اوقات تمہارے ایمان بنیادوں سے اکھیڑے جاتے ہیں۔ تو ایمان تو وہ ہے جو ہر قسم کے مصائب کے ابتلاء میں پڑنے کے بعد پھر بھی ثابت قدم رہے اور اسی طرح وہ آسمان سے باتیں کر رہا ہو جیسے ایک مضبوط تناور درخت جس کی جڑیں زمین میں قائم ہوں وہ ابتلاؤں اور زلازل کے وقت بھی اسی طرح ثابت قدم رہتا ہے اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی رہتی ہیں پھر فرمایا وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ اب ہم تمہیں سمجھا رہے ہیں کہ ایمان اس کو کہتے ہیں، عبادت کے حق ادا کرو، خدا کے حضور جھکو اس کی ہر بات پر لبیک کہو اور اس کے نتیجے میں پھر کسی دور کی جنت کا انتظار نہ کرو بلکہ خدا کی جنت اپنی رضا لے کر تمہارے پاس کھڑی ہوگی۔ تمہاری ہر تمنا کو دیکھے گی اور ہر خواہش کا جواب دے گی۔ پس یہ وہ مضمون ہے جو رمضان مبارک سے تعلق رکھتا ہے پس مجھ پر وہ ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد فرمایا لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ تا کہ عقل کامل حاصل کر سکیں۔ رشد ہدایت کو بھی کہتے ہیں اور عقل کو بھی کہتے ہیں اور حقیقت میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

تو امر واقعہ یہ ہے کہ اہل اللہ ہی ہیں جن کو عقل کامل نصیب ہوتی ہے اس کے بغیر یونہی دنیا کے ڈھکوسلے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اہل عقل ہیں لیکن جن کے فیصلے خدا کے حوالے سے نہ ہوں ان کے فیصلے کبھی درست نہیں ہو سکتے۔ صرف اسی وقت درست ہوں گے جب خدا کا حوالہ اس طرف کھڑا ہو جس طرف ان کا اپنا مفاد کھڑا ہے جب دونوں کی سمت ایک ہو جائے گی تو وہ ضرور درست فیصلہ کریں گے لیکن جہاں یہ سمت بدلے گی خدا ایک طرف ہوگا اور ان کا مفاد دوسری طرف وہاں وہ بے وقوف لوگ ہمیشہ اپنے مفاد کے حق میں فیصلے کریں گے اور خدا کے حق میں نہیں کریں گے تو ان کی عقل عارضی ہے اور وقتی حالات سے تعلق رکھتی ہے جب وہ حالات بدلتے ہیں تو عقل ماری جاتی ہے۔ پس آج دنیا کی بڑی بڑی قومیں جو اپنے سیاسی یا دیگر ملکی فیصلہ جات میں غلطیاں کرتی ہیں اس کی بنیادی وجہ آپ یہی دیکھیں گے کہ وہ خدا سے عاری فیصلے کرتے ہیں اگر اتفاقاً وہ بات ہدایت کی ہو جائے تو ہو جائے گی ورنہ جب بھی ان کا مفاد عقلِ کُل کے مفاد سے ٹکرائے گا وہ اپنے مفاد میں فیصلے کریں گے اور عقل کل کو ترک کر دیں گے۔

رمضان مبارک میں ہم نے یہ سب کچھ حاصل کرنا ہے ایک مہینے کا سفر ہے اَيَّامًا

مَّعۡدُوۡدٰتٍ یہاں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنی بڑی مصیبت نہیں ہے کہ تم کہو کہ او ہو بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ایک سال کا بارہواں حصہ ہی ہے نا۔ وقت گزار لو وہاں دوسری طرف ایک اور پیغام بھی ہے کہ یہ دن بار بار سال میں نہیں آئیں گے ایک سال میں یہ چند دن ہیں، آئیں گے اور گذر جائیں گے، یہ بہار کے ایام ہیں ان سے فائدہ اٹھالو۔ اگر نہ اٹھا سکے تو پھر سال بھر حسرت رہے گی اور تم حسرت سے دیکھو گے کہ کاش یہ چند دن ہم نیکیاں کر کے خدا کو راضی کر لیتے اور اس مہینے کی برکات سے مستفیض ہو سکتے۔ پس اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ہیں جو تکلیف محسوس کرتے ہیں ان کو یہ سوچنا چاہئے کہ چند دن ہی تو ہیں گزر جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ سہارا دے گا اور توفیق بخشے گا پھر جس کو تم مشکل سمجھ رہے ہو آسان دکھائی دینے لگیں گے اور وہ لوگ جو حقیقت میں نیکی کا عرفان رکھتے ہیں اور اپنی کمزوریوں پر نگاہ ہے ان کو علم ہے کہ بخشش طلب کرنے والی بہت باتیں پڑی ہیں۔ انسان اتنے گناہ کر چکا ہے، اتنا اپنے آپ کو داغ دار کر چکا ہے کہ ایک رمضان کی بات نہیں، بیسیوں رمضان آئیں اور اسے دھوتے جائیں اور پتھروں پر پٹختے جائیں تب بھی بعض ایسے داغ ہیں جو شاید مٹنے میں نہ آئیں اور یہ رمضان تو پھر چند دن میں گزر جائے گا اس لئے کمر ہمت کسو اور پورے ارادے کے ساتھ اور قوت کے ساتھ اور عزم صمیم کے ساتھ اس بات پر مستعد ہو جاؤ کہ اس مہینے میں جتنی نیکیاں ہم کما سکتے ہیں ضرور کمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو جہاں تک بندے کی توفیق ہے اسے خوش کر کے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں، یہ نسائی کتاب الصوم سے حدیث لی گئی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں:

عَنۡ عَبۡدِ الرَّحۡمٰنِ بنِ عَوف عَن رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ ذَکَرَ رَمَضَانَ وَفَضَّلَہٗ عَلَی الشُّھُوۡرِ وَقَالَ مَنۡ قَامَ رَمَضَانَ اِیۡمَانًا وَّاحۡتِسَابًا خَرَجَ مِنۡ ذُنُوۡبِہٖ کَیَوۡمٍ وَلَدَتۡہُ اُمُّہٗ.

(نسائی کتاب الصوم حدیث نمبر:2162)

عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپؐ نے رمضان کا ذکر فرمایا اور دوسرے تمام مہینوں پر فضیلت دی اور فرمایا جس نے رمضان کو قائم

کیا اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا پورے ایمان کے ساتھ اور محاسبہ کرتے ہوئے۔ وَقَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ. اس کے گناہ اس سے اس طرح زائل ہو جائیں گے جیسے اس دن گناہ اس کے ساتھ نہیں تھے جب اس کی ماں نے اسے پیدا کیا تھا۔ اب یہ بہت ہی عظیم خوشخبری ہے اس کا بھی اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ سے تعلق ہے۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ سے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا ایک عارف کو یہ خوف بھی تو ہوتا ہے کہ چند دن گزر جائیں گے، میں پتا نہیں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں کہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے گر سکھا دیا ہے کہ اس طرح اس رمضان سے پیش آؤ کہ تم اس کی برکتوں سے پورا فائدہ اٹھا سکو۔ وہ یہ ہے کہ رمضان کو ایمان کے ساتھ قائم کرو اور احتساب کے ساتھ قائم کرو۔

ایمان کا تعلق یہ ہے کہ ایمان کے جتنے تقاضے ہیں وہ اس رمضان میں تمہیں دکھائی دیں گے اور ایمان کے سارے تقاضے پورے کرو۔ ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ دنیا سے بے پرواہ، دنیا کی نظر سے غافل، انسان محض اللہ کی رضا کی خاطر کوئی کام کرتا ہے اور اس کی خاطر پھر اعمال اختیار کرتا ہے۔ پس آدھی رات کو اٹھنا جبکہ کسی کو خبر نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے اس وقت محض اللہ کی یاد کی خاطر اٹھنا اس کا گہرا ایمان سے تعلق ہے۔ پس مراد ہے اپنی راتوں کو بھی جگاؤ، پھر خدا کے نام پر بار بار اس مہینے میں نیکی کرنا اور دین کے تمام فرائض کو پورا کرنا، ایمان کی تفاصیل میں تمام عبادات داخل ہیں۔ ایمان باللہ کا مطلب صرف یہ نہیں کہ اللہ کو کہہ دیا کہ اللہ ایک ہے یا اللہ موجود ہے۔ ایمان باللہ کے اندر تمام اہل عرفان، اہل علم جانتے ہیں کہ تمام نیکی کے مضامین جو ایمان لانے کے بعد انسان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ان سب کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے پھر ''اِیْمَانًا'' کہہ کر ایک بہت وسیع مضمون کو ایک لفظ میں بیان فرما دیا اس کے بعد کسی اور لفظ کی بظاہر ضرورت نہیں رہتی، مگر آنحضرت ﷺ نے ایک اور لفظ استعمال فرمایا ہے اور وہ ہے ''اِحْتِسَابًا'' کہ ہر لمحہ اپنا حساب کرتے رہنا یہ نہ سمجھنا کہ تم نیکیاں کر رہے ہو اگر تم نے نیکی پر نظر نہ رکھی، اپنی نیتوں کو ٹٹولتے نہ رہے تو جن کو تم ایمان کے مطابق رمضان قائم کرنا کہتے ہو بسا اوقات وہ ایمان کے مطابق نہیں ہو گا بلکہ بعض اور تقاضوں کے نتیجے میں ہو گا۔ رمضان کے مہینے میں کئی ایک قسم کے رواج چلتے ہیں اور انسان بظاہر یہ سوچتے ہوئے کہ یہ چیزیں منع تو نہیں، جائز ہیں ان میں شدت اختیار کرتا ہے لیکن احتساب کے خلاف ہے۔ مثلاً افطاریاں چلتی رہتی

ہیں، لمبی لمبی امیروں کی امیروں کے ساتھ مجالس ، بعض عرب ملکوں میں، بلکہ شاید عرب ملکوں میں تو یہ رواج ہے کہ ساری ساری رات کھاتے پیتے اور بعض علاقوں میں تو ناچتے گاتے بھی ہیں اور ساری رات مجلسیں لگاتے ہیں اپنے گھروں سے کچھ کھانا اکٹھا کر کے لے آتے ہیں اور وہ كُلُوْا جَمِيْعًا (النور:62) ہوتا ہے اس طرح وہ صبح کا انتظار کرتے ہیں اور پھر جب روزے کا وقت آئے تو شاید سحری کھانے کا تو کوئی وقت ہی نہیں ، توفیق ہی نہیں ملتی ہوگی ۔ تو اس وقت کھانا پینا بند کیا اور روزہ شروع ہو گیا۔ ایمان کا تقاضا یہ تو نہیں ہے۔ ایمان کا تقاضا تو وہ ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پورا فرمایا کرتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ عام دنوں میں بھی آپؐ اپنی راتوں کو جگاتے تھے مگر رمضان میں جس شدت سے جگاتے تھے اس کی کوئی مثال دکھائی نہیں دیتی۔ عام دنوں میں بھی آپؐ دن کو نیکیاں کرتے تھے۔ عام دنوں میں بھی آپؐ غریب پروری فرماتے تھے۔ مگر رمضان کے مہینے میں تو اس کی شکل ایسے ہو جاتی تھی جیسے عام بارش موسلا دھار بارش میں تبدیل ہو جائے۔ اس طرح نیکی ہر طرف سے برسنے لگتی تھی۔ پس اس کو کہتے ہیں، ایمان کا حق ادا کرنا اور اس سلسلے میں احتساب لازم ہے۔

انسان بظاہر سمجھتا ہے کہ رات کو مجلس لگانے میں کیا حرج ہے؟ کب منع ہے۔ روزے کا وقت شروع ہوگا تو پابندی شروع ہوگی مگر اس مزاج سے مختلف بات ہے، روزے کے مزاج کے خلاف ہے کہ راتوں کو لغو مشاغل میں صرف کیا جائے۔ بعض لوگ تو اس حد تک اس معاملے میں بے چارے لاعلم اور جاہل ہوتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے بیلجیئم کے مبلغ صاحب کا فون آیا کہ میں تو بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں، کیا جواب دوں۔ ہنس رہے تھے، مراد یہ تھی کہ آپ بھی سن لیں کیا قصہ ہوا۔ کہتے ہیں چار پاکستانی لڑکے جو بلجیئم میں رہتے ہیں انہوں نے مجھے تہجد کے وقت فون کیا اور کہا کہ ایک ہمارا آپس میں اختلاف ہو گیا ہے آپ بتائیے حقیقی مسئلہ کیا ہے تو میں نے کہا فرمائیے کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا ہم شراب کے عادی ہیں تو چونکہ سارا دن شراب نہیں پینی ہوتی ہم نے فیصلہ کیا ہے ساری رات شراب پئیں گے، وہ تو خیر ٹھیک ہے اس میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ روزے سے تھوڑا سا پہلے شراب چھوڑ دینی چاہئے کیونکہ شراب سے روزہ نہیں ہوسکتا اور میرے ساتھی بعض کہتے ہیں کہ نہیں اگر ہم نے شراب چھوڑ دی تو آٹھ پہرہ روزہ بن جائے گا اور

اٹھ پہرہ روزہ حرام ہے یہ نہیں ہوسکتا۔اب دیکھیں جہالت انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔

روزے کا ایک مزاج ہے اس کا مقصد خدا کو پانا ہے،اس کا مقصد ہر نیکی کو اپنے عروج تک پہنچانا ہے۔پس ہر وہ بات جو اس شان کے خلاف ہو وہ انسان کو نیکی سے پرے پھینک دے گی۔تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روزے کا مقصد تقویٰ بتایا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

دوسری روایت بخاری کتاب الایمان سے لی گئی ہے اس میں حضرت ابو ہریرہؓ عرض کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری کتاب الایمان)

جس نے بھی رمضان کو ایمان کے ساتھ اور احتساب کے ساتھ یعنی اپنے نفس کا مسلسل جائزہ لیتے ہوئے گزارا اور اس کا حق ادا کیا تو اس کا پھل یہ ملے گا کہ اس کے تمام گزشتہ گناہ بخشے جائیں گے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

”آنحضرت ﷺ رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے تبتل الی اللہ حاصل کرنا چاہئے۔“(تقاریر جلسہ سالانہ 1906ء صفحہ:20 تا 21)

یہ ایک ایسا مضمون ہے جسے عموماً بھلا دیا جاتا ہے اکثر جو بے چارے نیکی کے آغاز میں بعض نیکیاں اختیار کرتے ہیں وہ پرانی باتوں کے کچھ سہارے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔مثلاً ایک شخص کو خدا کی خاطر بھوکا رہنے کی عادت نہیں ہے یا اس پہ دوبھر ہے تو وہ دن بھر تو افطاری کی تیاری کرتا ہے اور رات بھر سحری کی تیاری کرتا ہے اور انہی خیالات میں اس کے دن اور رات گزرتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھیں کیسے مرض کو پہچانا ہے اور کیسا عمدہ علاج تجویز فرمایا ہے۔ ”آنحضرت ﷺ رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر“ (باقی گیارہ مہینے بے شک خیال رکھ لینا مگر ان ایام میں ان خیالات سے فارغ ہو جایا کرو) اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے تبتل الی اللہ حاصل کرنا چاہئے تا کہ تمہاری تمام توجہ اللہ ہی کی طرف ہو“ اور اس میں روزے کی یہ حکمت بھی بڑے پیارے انداز میں بیان فرمادی کہ روزہ تبتل کے لئے ہے اور تکلیف کی خاطر بھوک اور پیاس نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بلکہ تبتل

کے ذریعے یہ لازم ہے کہ اللہ کی طرف توجہ پھیرنی ہے اور تبتل کے بغیر گزارا نہیں ہے۔ تمہیں سبق دینا ہے کہ کس طرح دنیا سے توجہ کاٹ کر خدا کی طرف مائل کی جاتی ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

''حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں ایک وہ جس نے رمضان پایا پھر رمضان گزر گیا اور اس کے گناہ بخشے نہ گئے۔''

یعنی اس نے رمضان کو اِیْمَانًا اور اِحْتِسَابًا نہیں گزارا۔ اب یہ جو بحث ہے کہ گناہ بخشے گئے تھے کہ نہیں گئے تھے یہ بظاہر بڑی مشکل بحث دکھائی دیتی ہے کوئی سمجھتا ہوگا بخشے گئے کوئی سمجھتا ہوگا نہیں بخشے گئے بعض لوگ بعد میں بے چارے روتے ہیں دعائیں کرتے ہیں او ہو رمضان گزر گیا اور پھر بھی ہم کچھ نہ کر سکے اور:

اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

اس مضمون پر شعراء نے اپنی حسرتوں کا بیان کیا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

حضرت میر محمد اسماعیل صاحب نے رمضان ہی کے تعلق میں غالباً ایک نظم اس رنگ میں کہی تھی کہ وقت آیا، نیکیوں کا سماں آیا بہار آئی اور گزر گئی ہم نے کچھ چیزیں چھوڑیں کچھ نہ چھوڑیں لیکن ماحصل یہ ہے نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ وہ بزرگ جو احتساب کرتے ہیں یہ ان کا تصور ہے کہ آیا ہم نے ایمان کے ساتھ رمضان گزارا ہے کہ نہیں۔ تو اس تصور میں یعنی اس احتساب میں زیادہ عاجزی اختیار کر جاتے ہیں۔ پس جو کمی بھی رہ جاتی ہوگی اللہ اس عاجزی کی خاطر اسے دور فرما دیتا ہوگا لیکن کچھ لوگ ہیں جن کو پتا ہی نہیں کہ ہم نے کچھ حاصل بھی کیا کہ نہیں کیونکہ رمضان گزرتے ہی اس تیزی سے وہ واپس دوڑتے ہیں ان سب باتوں کی طرف جو پہلے کیا کرتے تھے کہ جیسے کوئی لمبا غوطہ مار کر دوسری طرف سر نکالتا ہے گھبرا کر سر جھاڑتا ہے اور سانس لینے کی کرتا ہے تو یہ سانس بند کر کے رمضان میں جاتے ہیں اور اتنی تکلیف ہوتی ہے پرلے کنارے تک پہنچتے پہنچتے کہ بڑی تیزی سے پھر وہ لمبے لمبے سانس لیتے ہیں۔ جو چیزیں چھوڑی ہوئی تھیں جو بدیاں

ترک کر بیٹھے تھے ان کو پورے زور اور شدت کے ساتھ دوبارہ شروع کرتے ہیں کہ چلو تھوڑا سا تو سکون ملے۔ گزر گیا جو مہینہ گزرنا تھا۔ اب ان کا بخشش سے کیا تعلق ہوا کیونکہ گناہوں کی بخشش کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کی طرف سے توجہ پھیر دی جاتی ہے گناہوں کی خواہش مٹا دی جاتی ہے اور اگر دائمًا نہیں تو کچھ عرصے تک تو اس کے نشان ملیں۔ دنیا پھر انسان کو کھینچتی ہے اور یہ مضمون بھی ہمیں احادیث میں ملتا ہے، قرآن میں ملتا ہے بعض لوگ بار بار استغفار کرتے ہیں اور اللہ بخش بھی دیتا ہے پھر وہ آتے ہیں اپنی پرانی عادتوں کی طرف پھر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اسی حالت میں انسان زندگی گزار دیتا ہے پھر اللہ کی مرضی ہے انہیں کس حالت میں وفات دے اگر وہ خدا سے دوری کی حالت میں مر جائیں تو نامراد رہے اگر اس حالت میں خدا تعالیٰ ان کی جان لے جبکہ اس کی بخشش کے نتیجے میں وقتی طور پر گناہ کا میل بھی ڈھل چکا تھا، گناہ کی طرف میلان مٹ چکا تھا ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا بندہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ ہاں میں کامیاب ہو گیا مگر یہ تجارب بھی بار بار ہونے والے تجارب ہیں ان کے بغیر انسان یہ تصور نہیں کر سکتا۔

پس دو ہی صورتیں ہیں بخشش کے یقین کی۔ ایک یہ کہ رمضان آئے اور گناہوں کے سارے خیالات کو دھو کر اس طرح پرے پھینک دے جیسے حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ایک نوزائیدہ بچہ ہے۔ نوزائیدہ بچہ پاک آتا ہے لیکن بد بھی ہو جاتا ہے۔ اس کا بعد میں بد ہونا یہ تو ثابت نہیں کرتا کہ وہ نوزائیدہ تھا ہی نہیں مگر بد ہونے میں وقت لگتا ہے۔ کتنی دیر اس کو بلوغت کا انتظار کرنا پڑتا ہے کتنی دیر ابتلاؤں اور امتحانوں میں پڑنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اچانک تو نوزائیدہ بچہ بد نہیں ہوا کرتا۔ ایک لمبے عرصے تک بدی کی خواہش ہی نہیں ہوتی اور اکثر بدیوں سے اس لئے محروم ہوتا ہے کہ ان کا تصور بھی کوئی نہیں رہتا۔

پس اگر رمضان بدیوں کو اس طرح مٹا کر جاتا ہے کہ اس کی تمنائیں مدھم پڑ جاتی ہیں یا مٹ جاتی ہیں۔ وہ خواہشیں مرنے لگتی ہیں اور پھر بعد میں ان کو دوبارہ ارادۃً زندہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو بعد میں ممکن ہے ایسا شخص بھی دھوکہ کھا جائے اور گر جائے لیکن عمومًا کہہ سکتے ہیں کہ رمضان کچھ بخشش کے سامان اس کے لئے پیچھے چھوڑ گیا۔

پس اپنے لئے دعائیں کریں اور یہ دعائیں کرتے ہوئے رمضان میں داخل ہوں کہ جو

رمضان کے اعلیٰ مقاصد ہیں ہم ان کو حاصل کرنے والے ہوں۔ ہماری بدیاں جھڑ جائیں ہمارا احتساب کامل ہو اور ہمارا ایمان زندہ ہو جائے اور اس کے تمام تر تقاضے پورے کرتے ہوئے ہم اس خدا کو پالیں جس کی طرف، رمضان ہمیں انگلی پکڑ کر لے جا رہا ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:۔

آج نماز جمعہ کے بعد، کیونکہ ابھی بھی جمعہ کے اختتام تک عصر کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے۔ نماز عصر ہوگی اور اس کے معاً بعد تین جنازے ہوں گے۔ یعنی جنازہ غائب۔

ایک حضرت شیخ مسعود الرحمٰن صاحب صحابیؓ جن کا وصال جرمنی میں ہوا ہے اور اب غالباً ربوہ میں لے جا کر ان کی تدفین بہشتی مقبرے میں کر دی گئی ہے۔ حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ کے بیٹے تھے ننانوے سال دو ماہ کی عمر پائی۔ پہلے نام مسعود احمد تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خاندان کے باقی ناموں کی مناسبت سے آپ کا نام مسعود الرحمٰن رکھ دیا تھا۔

دوسرے ہمارے شہید مکرم رانا ریاض احمد خان صاحب ابن رانا عبد الستار صاحب ٹاؤن شپ (لاہور)۔ ان کے والد صاحب بھی شدید مضروب ہیں بہت ظالمانہ طور پر آپ کو زخمی کیا گیا ہے ان کے لئے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو شہادت کی سعادت کا عرفان نصیب فرمائے اور اس کے غم پر اس سعادت کی خوشی بھاری ہو جائے۔

اسی طرح ہمارے عزیزم احمد بن ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب اور عزیزہ امتہ الحئی چودھری حمید نصر اللہ صاحب۔ ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب کے بیٹے تھے عزیزہ امتہ الحئی کے بطن سے۔ بعد میں عزیزہ امتہ الحئی کی شادی چودھری حمید نصر اللہ صاحب کے ساتھ ہوئی اس لئے ان کے ساتھ بھی ایک بیٹوں والا رشتہ رہا بچپن سے۔ ان کو بھی 6 رجنوری کو لاہور میں شہید کر دیا جا چکا ہے۔ اس کی تفاصیل جب حاصل ہوں گی تو انشاء اللہ بعد میں بیان کر دی جائیں گی۔

ان کی نماز جنارہ غائب نماز عصر کے معاً بعد ہوگی۔